فروری 2000

وراثت کے مسائل اور وفاقی شرعی عدالت

گزشتہ کالم میں وفاقی شرعی عدالت کے دو فیصلوں کے بارے میں مختصراً گزارشات پیش کی تھیں آج کی صحبت میں انہی میں سے ایک فیصلہ کے ایک اور حصہ کے بارے میں کچھ معروضات پیش کی جا رہی ہیں۔ 6 جنوری 2000ء کے اخبارات میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس میاں محبوب احمد، جسٹس اعجاز یوسف اور جسٹس فدا احمد پر مشتمل ہیں فل بینچ کے جس فیصلے کی خبر شائع ہوئی ہے اس میں یتیم پوتے کو دادا کی وراثت میں شریک کرنے کا حکم بھی شامل ہے خبر کے مطابق فیصلے میں کہا گیا ہے کہ

"یتیم پوتے کو جائیداد میں حصہ دیا جائے چاہے دادا نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو"

اس سے قبل یہ مسئلہ صدر محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں نافذ کئے جانے والے عائلی قوانین کے حوالہ سے بھی علمی و دینی حلقوں میں زیر بحث آ چکا ہے۔ عائلی قوانین میں یتیم پوتے کو دادا کی وراثت میں حصہ دار قرار دیا گیا تھا جس کی ملک بھر کے علماء کرام نے مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ یہ ضابطہ شرعی اصولوں کے منافی ہے۔ علماء کرام کا موقف یہ تھا کہ ایک شخص کی وفات کے وقت اگر اس کی حقیقی اولاد یعنی بیٹے اور بیٹیاں موجود ہیں تو اس کی زندگی میں فوت ہو جانے والے اس کے کسی بیٹے یا بیٹی کی اولاد اس کی وراثت میں شرعاً حصہ دار نہیں ہوگی۔ ہاں اگر مرنے والے کے اپنے بیٹے یا بیٹیاں موجود نہیں ہیں تو ان کی غیر موجودگی میں اس کی وراثت اس کے پوتوں کو منتقل ہو جائے گی۔ علماء کرام کے اس موقف کی بنیاد بخاری شریف کے ایک باب پر ہے جس میں امام بخاری نے اسی عنوان کے تحت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ مرنے والے کی اپنی اولاد اگر زندہ ہے تو اس کی زندگی میں مرنے والے کے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو اس کی وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ حضرت زید بن ثابتؓ جناب نبی اکرمؐ کے چیف سیکرٹری تھے اور ان کے بارے میں خود جناب نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے صحابہؓ میں وراثت کے مسائل و احکام کا سب سے بڑا عالم زید بن ثابتؓ ہے پھر حضرت زید بن ثابتؓ کے اس قول پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے جو بجائے خود شریعت کے بنیادی دلائل میں سے ایک اہم دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جمہور علماء کرام نے عائلی قوانین میں شامل کی جانے والی اس شق کی مخالفت کی تھی اور اسی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت کا مذکورہ فیصلہ بھی ملک کے جمہور علماء کرام کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔

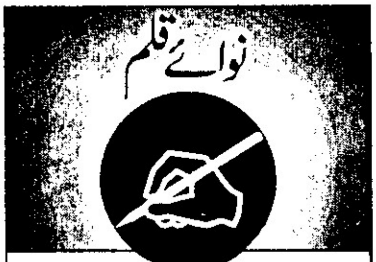

مولانا زاہد الراشدی

اس کے بارے میں ایک بات بڑے جذباتی انداز میں کہی جاتی ہے کہ جب بیٹوں کو وراثت میں حصہ مل رہا ہے تو یتیم پوتے زیادہ مستحق ہیں اس لئے انہیں بھی وراثت میں شریک کیا جائے ورنہ ناانصافی ہوگی مگر یہ بات محض جذباتی ہے اس لئے کہ وراثت کی تقسیم کا تعلق اجتہادی امور میں سے نہیں ہے بلکہ قرآن و سنت میں واضح حصے متعین کر دیئے گئے ہیں اور خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے اجتماعی فیصلوں کی صورت میں ان کی وضاحت و صراحت ہو چکی ہے اس لئے شرعی اصولوں کے مطابق ان میں کسی ردوبدل کے مجاز نہیں ہیں اور نہ ہی وارثوں کی فہرست میں کسی کمی بیشی کا ہمیں اختیار حاصل ہے۔ پھر وراثت کے استحقاق کا تعلق ورثا کی حالت اور ان کے قابل رحم ہونے یا نہ ہونے سے نہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد مرنے والے کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت پر ہے کیونکہ شرعی اصول ہے کہ قریبی رشتہ دار وارث قرار پاتا ہے اور قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں بالواسطہ رشتہ دار وراثت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا یہ ایک طے شدہ اصول ہے جس سے انحراف کی صورت میں وراثت کا پورا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

اب مثلاً پوتوں اور نواسوں کو ایک طرف رہنے دیجئے خود براہ راست اولاد میں ایک بیٹا فرمانبردار ہے خدمت گزار ہے اور اس نے باپ کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جبکہ دوسرا بیٹا نافرمان ہے اور اس نے زندگی بھر باپ کو تنگ اور ذلیل کرنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں کیا ہم اگر معروضی حالات کو بنیاد بنا کر انصاف کرنے بیٹھ جائیں تو ہمارا فیصلہ یہ ہوگا کہ فرماں بردار بیٹے کو ساری جائیداد دی جائے اور نافرمان بیٹے کو وراثت کے قریب بھی نہ آنے دیا جائے مگر شریعت اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس کے فیصلے معروضی حالات کے تابع نہیں ہوتے بلکہ دائمی اور فطری اصولوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں اس لئے شریعت کی نظر میں مرنے والے باپ کا فرماں بردار بیٹا اور نافرمان بیٹا دونوں وراثت میں یکساں حصہ دار ہیں حتیٰ کہ کوئی باپ اگر کسی بیٹے کو زندگی میں عاق کر کے اپنی وراثت سے لاتعلق کرنے کا اعلان کر گیا ہے تب بھی شرعاً وہ بیٹا وراثت سے محروم نہیں ہوگا بلکہ دوسرے فرماں بردار بیٹے کے برابر حصہ کا حقدار رہے گا۔

پھر شریعت نے باپ کے ہاتھ پاؤں بالکل نہیں باندھے بلکہ اسے حق دیا ہے کہ وہ اپنے کسی ایسے عزیز کے لئے جو شرعاً

باقی اگلے صفحے پر

مولانا زاہد الراشدی

اس کی وراثت کا حصہ دار نہیں بنتا اگر اپنی جائیداد میں سے کچھ دینا چاہتا ہے تو وہ بطور وصیت اس کے لئے حصہ مقرر کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ وصیت اس کی کل جائیداد کے تیسرے حصے سے زیادہ نہ ہو کیونکہ اگر تیسرے حصے سے زیادہ کسی کے لئے وصیت کرے گا تو یہ وارثوں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ناانصافی شمار ہوگی اس سلسلے میں جناب نبی اکرمؐ کا واضح ارشاد موجود ہے کہ ایک صحابیؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں اپنی جائیداد اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف کرنا چاہتا ہوں فرمایا کہ نہیں اس میں تیری اولاد کا حق ہے اس نے کہا کہ نصف جائیداد وقف کر دیتا ہوں آنحضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ نصف بھی زیادہ ہے اس نے عرض کیا کہ کیا تیسرا حصہ وقف کر دوں، تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہاں تیسرا حصہ ٹھیک ہے اور یہ بھی بہت ہے اور ایک روایت کے مطابق آنحضرت نبی اکرمؐ نے صحابی سے کہا کہ کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تو اپنی ساری جائیداد اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دے اور تیری اولاد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتی پھرے؟ اس حوالہ سے ہماری گزارش یہ ہے کہ شریعت نے وراثت کے حصے اور ورثاء کی فہرست تو درجہ بدرجہ طے کر دی ہے جس میں کسی سطح پر بھی ہم ردوبدل کے مجاز نہیں ہیں البتہ معروضی حالات میں کمی بیشی کو "دکور" کرنے کے لئے کل جائیداد کے تیسرے حصے تک وصیت کے حق کی گنجائش بھی رکھ دی ہے تاکہ اگر کسی جگہ ضرورت محسوس ہو تو اس سے استفادہ کیا جا سکے اس لئے اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی میں فوت ہو جانے والے اس کے کسی بیٹے یا بیٹی کی اولاد بھی ضرورت مند ہے اور اسے اس کی جائیداد میں حصہ ملنا چاہئے تو وہ تیسرے حصے کے اندر اندر ان کے لئے بھی وصیت کر سکتا ہے لیکن اگر وہ بھی وصیت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تو ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ ورثاء کی فہرست اپنی طرف سے ردوبدل کرتے پھریں۔

البتہ اس حوالہ سے ایک اور ضروری بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ معروضی حالات کے عنوان سے مفروضے قائم کر کے انصاف فراہم کرنے کے لئے تو ہم شرعی احکام و ضوابط میں ردوبدل سے بھی گریز نہیں کر رہے مگر وراثت کے باب میں جو ناانصافیاں عملاً ہو رہی ہیں ان کے ازالہ کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں ہے مثلاً ہمارے معاشرے میں عورت کو وراثت میں حصہ دار نہیں سمجھا جاتا اور یہ ہندوانہ تہذیب کا منحوس اثر ہے بہت کم گھرانے ایسے ہیں جہاں باپ کے مرنے کے بعد اس کی اولاد میں سے بیٹیوں کو بھی وراثت میں عملاً حصہ ملتا ہے ورنہ عام طور پر جہیز کو وراثت کے حصے کا قائم مقام قرار دے کر وراثت کے اصل حصے سے چھٹی کرا دی جاتی ہے یا اس سے زیادہ بات ہو تو ان سے معاف کرانے کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے اور جس انداز سے ہمارے ہاں غریب عورت سے مہر کی رقم اور وراثت کا حصہ معاف کرایا جاتا ہے اس سے معافی کی شرعی صورت سرے سے نہیں بنتی مگر ہم معاشرتی دباؤ اور خاندانی دباؤ کے تحت اس کے منہ سے معافی کا ایک لفظ کہلوا کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں یہ سراسر ناانصافی ہے اور زیادتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ناانصافی اور ظلم ہمارے ہاں ملک کے بعض حصوں میں یہ ہوتا ہے کہ صرف جائیداد کے تحفظ اور اسے تقسیم ہونے سے بچانے کے لئے جوان لڑکی کو شادی کے فطری اور شرعی حق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کی گود میں قرآن کریم رکھ کر کہہ دیا جاتا ہے کہ تیری شادی (نعوذ باللہ) قرآن کریم کے ساتھ کر دی گئی ہے اسی لئے علماء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خدشہ ہو کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اپنی بہنوں کو وراثت میں ان کا حق نہیں دیں گے تو اسے زندگی میں بیٹیوں کو ان کا حصہ دے دینا چاہئے اور بہت سے محتاط دیندار لوگ ایسا کرتے بھی ہیں۔

اس لئے ہم وفاقی شرعی عدالت کے معزز جج صاحبان سے یہ گزارش کریں گے کہ معروضی حالات میں انصاف کے لئے مفروضوں کو بنیاد بنانے کی بجائے معاشرہ میں ہونے والی عملی ناانصافیوں کا جائزہ لیں اور غریب لوگوں بالخصوص خواتین کو وراثت اور دیگر معاملات میں انصاف فراہم کرنے کی راہ ہموار کریں اس کے ساتھ ہی اگر فاضل جج صاحبان اسے گستاخی پر محمول نہ کریں تو ان سے یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ دستور پاکستان کے تحت انہیں جو ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مروجہ قوانین میں سے کسی قانون کو شریعت کے

روزنامہ اوصاف اسلام آباد - 29 جنوری 2000ء